۱۔ ایک طبقہ چھوٹے دکانداروں۔ کباڑیوں۔ مزدوروں اور محنت کشوں کا ہے جن کے ہاں تعلیم کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان کے نزدیک ایک کارِ عبث ہے۔ یہ لوگ چونکہ مسلمان ہیں اس لئے اپنے بچوں کو محلے کے مکتب میں بھیج کر قرآن مجید کچھ دینیات اور کچھ اردو وغیرہ کی تعلیم تو دلا دیتے ہیں لیکن اس کے بعد جو پیشہ اپنا ہے وہی بچوں کے لئے پسند کرتے ہیں اور تعلیم ختم ہوجاتی ہے۔

۲۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو درمیانی درجہ کا کہلاتا ہے۔ پہلے طبقہ کے برعکس اس کا حال یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے جنون میں گرفتار ہے۔ اس طبقہ کے نزدیک جب تک کوئی لڑکا یا لڑکی کم از کم ایم۔اے۔ یا ایم۔ ایس۔سی۔ نہ ہو اس وقت تک وہ تعلیم یافتہ کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ دونوں طبقے افراط اور تفریط کے شکار ہیں۔ اتنی تعلیم جس سے ایک مسلمان اپنے مذہب کے عقائد۔ فرائض و واجبات اور حلال و حرام سے واقف ہو۔ ساتھ ہی حساب اور جغرافیہ۔ اپنی مادری زبان اور ملکی زبان کی تعلیم جس سے وہ ان دونوں زبانوں کے اخبارات اور رسائل پڑھ سکے ہر ایک کے لئے لازمی اور ضروری ہونی چاہئے۔ اگر اس میں ذوق ہوگا تو مطالعہ کے ذریعہ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرسکے گا۔ ورنہ اس تعلیم کا اس قدر فائدہ ضرور ہوگا کہ روزمرہ کی زندگی میں کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ اب رہا دوسرا طبقہ جو اعلیٰ تعلیم کے جنون میں گرفتار ہے اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ دنیا کے جتنے بھی ترقی یافتہ ملک ہیں ان میں کہیں بھی یہ جنون نہیں پایا جاتا۔ ایک زمانہ تھا جب کہ لڑکی کا ایم۔اے۔ یا کم از کم بی۔اے ہونا اس کی شادی کا پاسپورٹ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کی اب یہ حیثیت ختم ہوگئی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ہائی اسکول عام طور پر کثیر المقاصد (MULTIPURPOS) ہوتے ہیں۔ ان میں ہر لڑکا اور ہر لڑکی تعلیم پاتے ہیں۔ ہائی اسکول کے امتحان پاس کرنے کے بعد ہر لڑکے اور لڑکی کا فطری رجحان اور ذہنی استعداد و صلاحیت صاف معلوم ہوجاتی ہے اور اب وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے اسی کے مطابق کوئی لائن اختیار کرتے ہیں اعلیٰ تعلیم وہی نوجوان حاصل کرتے ہیں جن میں علم و فن کا ذوق ہوتا ہے اور جنھوں نے اپنی زندگی کو اس کی خدمت کے لئے وقف کردینے کا شروع میں ہی عزم کرلیا ہو۔

علاوہ ازیں ترقی یافتہ ملکوں میں ہر علم و فن کی حیثیت یکساں اور برابر سمجھی جاتی ہے۔ وہاں

سائنس ٹیکنالوجی۔ میڈیسن اور انجینیرنگ کو جو وقعت حاصل ہے وہی سوشل سائنسیز اور زبان و ادب کو ہے۔ اس بنا پر جو نوجوان آزادیٔ فکر سے کام لے کر اپنے لئے جس راہ کو بھی پسند کرتا ہے اس میں کامیاب رہتا ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے جتنے بھی کام ہیں تقلیدی اور بھیڑ چال کے حکم میں داخل ہیں۔ آجکل میڈیسن اور انجینیرنگ کا بہت زور ہے۔ ہر ماں باپ کی اپنی اولاد کے لئے خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹر ہو یا انجینئر ہو۔ بیٹی کے لئے رشتہ تلاش کرتے ہیں تب بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میڈیسن یا انجینیرنگ میں داخلہ نہیں ہوتا تو پھر دوسرے مضامین کا خیال آتا ہے اور اس طرح عمر عزیز کے کئی برس اِدھر سے اُدھر ٹکریں کھانے میں گذر جاتے ہیں۔ جن نوجوانوں میں میڈیسن یا انجینیرنگ کا رجحان ذہنی (APTITUDE) پایا جاتا ہے۔ انہیں لازمی طور پر یہ تعلیم حاصل کرنی چاہئے لیکن اسکے کوئی معنی نہیں ہیں کہ جس نوجوان میں تاریخ و فلسفہ۔ یا شعر و ادب کا فطری ذوق ہے اس کو بھی آپ مجبور کر کے فزکس کیمسٹری اور میتھیمیٹکس کے چکر میں پھنسا دیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی قوم کی زندگی اور ترقی کا راز اس میں ہرگز نہیں ہے کہ اس کا ہر فرد انجینئر یا ڈاکٹر ہو۔ بلکہ درحقیقت اس میں ہے کہ ہر فرد بغیر کسی خارجی دباؤ اور جبر کے اپنے رجحان طبعی اور ذہنی استعداد کے مطابق تعلیم حاصل کرے اور اس کے بعد اپنے ذوق کے مطابق پیشہ اختیار کرے۔ البتہ قوم میں ...... وسائل و ذرائع اتنے اور ایسے ہونے چاہییں کہ قوم کا کوئی فرد محض غربت و افلاس اور فقدان ذرائع کے باعث اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل سے قاصر نہ رہ جائے۔

خبر رسانی کے موجودہ وسائل

اور

رویت ہلال کا مسئلہ

از مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی

(۳)

خط کے اصلی ہونے کا یقین ہو جانے کی مختلف شکلیں

غور فرمایئے! عرف عام میں رواج پا جانے سے صداقت کا یقین ہو جانے کی بنا پر محقق موصوفؒ نے خط کو حجت قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جگہ خاص پیشہ کے لوگوں یا گروہوں میں باہم خط وکتابت پر لین دین کا چلن ہو اور وہ لوگ اس میں دیانت برتتے ہوں تو اس خط وکتابت کو قانونی شکل حاصل ہو جائے گی اور تحریر حجت سمجھی جائے گی۔ جیسے ہمارے یہاں بہی کھاتے کا رواج ہے۔ یعنی اصل چیز اس بارے میں اطمینان ہے وہ خواہ تجربہ و رواج کی بنیاد پر حاصل ہو یا خط کے پہچان لینے، یا شاہدوں کے بیان سے یا خط کی حفاظت اور دستبرد سے بچے رہ جانے کی بنا پر ہو۔ چنانچہ اس بارے میں ابن ہمامؒ نے ایک مشہور عالم محمد بن مقاتل کا جواب نقل کیا ہے:۔

من نسی شهادته ووجد خطه وعرفه هل یسعه ان یشهد قال اذا کان الخط فی حرزه یسعه ان یشهد

جو شخص شہادت بھول گیا اور (اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا واقعہ بھی) خط دیکھ کر اس نے پہچان لیا کہ میرا ہی ہے (اور وہ واقعہ اس میں مکتوب ہے تو) اسکے لئے گواہی دینے کی گنجائش ہے؟ فرمایا! اگر خط اسکے پاس محفوظ تھا تو گواہی دینے کی گنجائش ہے۔

(فتح القدیر ص ۴۶۵ ج ۶)

فقہاء کے یہاں تحریر (خط) کے اصلی ہونے کا یقین حاصل کر لینے کے بعد اس کو حقوق العباد تک

میں حجت مانا گیا ہے۔ حالانکہ شریعت نے اس معاملہ میں زیادہ پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور شدت احتیاط برتی ہے۔ (جس کی واضح مثال رمضان وعید کا ثبوت اور اس کی شرائط کا فرق ہے) اس کی ایک اور مثال علامہ شامی نے نقل کی ہے:۔

صراف کتب علی نفسہ بمال وخطہ معلوم بین التجار داھل البلد ثم مات فجاء غریم یطلب المال من الورثۃ وعرض خط المیت بحیث عرف الناس خطہ یحکم بذلک فی ترکتہ ان ثبت انہ خطہ وقد جرت العادۃ بین الناس بمثلہ (وھی) حجۃ۔	کسی صراف نے رقعہ لکھ دیا کہ مجھ پر اتنا مال واجب ہے۔ اور اس کا خط تاجروں اور شہریوں میں پہچان لیا جاتا ہے اس کے بعد وہ مرگیا۔ اب قرضخواہ مال مانگتا ہوا آیا۔ ورثہ کے پاس۔ اور مرنے والے کا رقعہ پیش کیا اس طور پر کہ لوگوں نے اس کے خط کو پہچان لیا تو اب اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور ترکہ میں سے مال دلوایا جائے گا جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اسی کا خط ہے اور لوگوں میں اس کا چلن بھی ہو۔
(شامی ص۳۶۶ ج ۴)	

اس جزیہ کے بعد علامہ عینیؒ کا یہ قول نقل فرمایا:۔

قال العلامۃ العینی والبناء علی العادۃ الظاھرۃ واجبۃ۔	عینیؒ نے کہا ظاہری عادات کو فیصلہ کی بنیاد بنانا ضروری ہے (یعنی عام چلن کے مطابق حکم لگانا چاہیئے)
(شامی ص۳۶۶ ج ۴)	

اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں نیز فقہی اقوال نقل کرنے کے بعد ایک نہایت اہم اور اصولی بات اور نقل فرمائی جس سے اس بارے میں ہر جگہ راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے فرماتے ہیں:۔

لان الغلط نادر واشتر التغییر	تحریروں میں غلطی بہت کم ہوتی ہے اور

یمکن الاطلاع علیہ و قلما یشبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن جاز الاعتماد علیہ — توسعۃً علی الناس ۔ (شامی ص۳۶۶ ج ۴)	رد و بدل کا پتہ چلانا آسان ہوتا ہے ۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک خط دوسرے خط کے پوری طرح مشابہ ہو۔ پس یقین ہو جانے کی بنا پر اعتماد کرنا درست ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جہاں خطوط میں احتمال جعل و تزویر کا گمان نہ ہو وہاں ان پر عمل کرنا درست ہوگا۔ اور نجی خطوط جو عام طور پر باہمی تعلقات یا قرابتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو لکھے جاتے ہیں ان میں تزویر کا احتمال بہت کم ہوتا ہے اس لئے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

وکذا ما یکتب الناس فیما بینھم یجب
ان یکون حجۃ للعرف۔ ص۳۶۷ ج ۴

دورِ حاضر کے اجلۂ علماء و مفتیانِ کرام نے بھی خطوط کو بہت سے معاملات میں حجت مانا ہے۔ چنانچہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:۔

"جن مواقع پر تزویر (دھوکہ دہی) کا گمان نہ ہو وہاں فقہاء نے خط کو معتبر مانا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ باہمی خط و کتابت میں احتمال تزویر بہت بعید و ضعیف ہے۔"

اس کے بعد مفتی صاحبؒ موصوف نے شامی کے حوالہ بالا حصے نقل فرمانے اور مزید تفصیل بیان کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:۔

جس جگہ تزویر سے امن ہے وہاں خط پر عمل کرنے کو فقہا نے لکھا ہے، پس جس جگہ کسی کے نزدیک، خط معروف ہو اور تزویر سے

مامون، وہ اس پر عمل کرسکتا ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳ ناشر کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

اسی طرح مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب اس تصریح کے بعد "اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شہادت کے لئے خط کسی جگہ کافی نہیں بجز اس کے کہ کتاب القاضی الی القاضی کے طریق پر ہو" نیز چند فقہی اقوال ـ جن میں سے اکثر ذکر ہو چکے ہیں ـ نقل فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں:۔

خط بدرجۂ خبر دیانات میں بھی معتبر ہے، " دیانات میں خط بدرجۂ خبر معتبر ہے بشرطیکہ مکتوب الیہ صاحب خط کو پہچانتا ہو کہ وہ عادل ہے اور اس خط کو دیکھ کر یہ بھی شناخت کرلے کہ یہ خط اسی کا ہے تو بدرجہ خبر اس پر عمل کیا جانا جائز ہے"

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب موصوف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیز خلفائے راشدین کے خطوط کی بہت سی مثالیں دے کر اپنی بات ثابت کی۔

" آمدم بر سرِ مطلب " خطوط کی بحث کا جائزہ (تفصیلی طور پر) لے چکنے کے بعد اب آسان ہوجاتا ہے کہ ٹیلی فون کے بارے میں (کیوں کہ وہ یک گونہ ہی نہیں بلکہ بوجوہِ کثیرہ خط کا مشابہ ہے) مسئلہ کا جواب معلوم کیا جاسکے۔ تمہید میں عرض کئے گئے مضمون سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جو حکم خط کا ہوگا وہی اس پر قیاس کردہ چیز یعنی ٹیلی فون کا بھی ہوگا اور علتِ اشتراک بھی ذکر کی جاچکی۔ پس جب خطوط کے بارے میں سطور بالا میں پیش کردہ تفصیل سے یہ حکم معلوم ہوچکا کہ اگر خطوط کے بارے میں یہ اطمینان ہوجائے (یا فقہی زبان میں) "ظن" حاصل ہوجائے کہ وہ اصلی ہیں جعلی نہیں ہیں تو ان کے

ٹیلی فون خط کے مشابہ ہے مقتضاء پر عمل کرکے فیصلہ کرنا درست ہوگا۔ اسی طرح اسکے مشابہ ٹیلی فون کے بارے میں یہ اطمینان حاصل ہوجائے کہ

پیغام جس شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہے واقعی وہ اسی کا... ہے اور وہ شخص دین دار مسلمان ہے (عدل ہے) تو اس کی خبر کو معتبر مان کر بدرجۂ خبر اس پر عمل کرنا درست ہوگا۔

اس استنباط کی تائید فتح القدیر وہدایہ آخرین میں ذکر کردہ ایک جزئیہ سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے :-

ٹیلیفون کے بارے میں ابن ہمام کے قول سے لطیف استدلال

ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من ورائہ لا یجوز لہ ان یشھد........ لان النغمۃ تشبہ النغمۃ الّا اذا احاط بعلم ذلک لان المسوغ ھو العلم غیر ان رؤیتہ متکلماً بالعقل طریق العلم بہ فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز (فتح القدیر ج۶ ص۴۶۳)

(یعنی دین کا معاملہ کرنیوالوں کی آوازوں کو) کسی نے اگر دبیز پردے کے پیچھے سے سنا تو اس کو شہادت دینا جائز نہیں اس لئے کہ آواز کو آواز کے مشابہ بنایا جاسکتا ہے لیکن اگر کسی طرح اس بات کا پورا یقین ہو جائے (کہ یہ اصل آواز ہے) تو شہادت دی جاسکتی ہے کیوں کہ اصل چیز جو شہادت کا جواز پیدا کرتی ہے وہ علم ہے سو وہ دیکھ کر بآسانی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اور کوئی طریقہ اس یقین کے حصول کا ہو تو (شہادت دینا) جائز ہوگا۔

غرضیکہ اصل بات اطمینان کا حاصل ہو جانا اور اس یقین کا پیدا ہو جانا ہے کہ یہ پیغام اسی شخص کا ہے جس کا کہ سمجھا جارہا ہے اور وہ دیندار ہے۔ اس اطمینان کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں بطور مثال یہاں چند ذکر کئے جارہے ہیں (۱) فون کرنے والے شخص سے اس کا نمبر معلوم کر لیا جائے پھر دوبارہ اپنی طرف سے اس نمبر پر فون کیا جائے، اور

فون کی خبر پر اطمینان حاصل کرنے کی چند صورتیں۔

دوسرے ان افراد کو بھی اس کی آواز سنادی جائے جو آواز پہچانتے ہوں اور اس شخص کو پہلے سے جانتے ہوں (۲) جس شہر سے فون آیا ہے وہاں دوسرے جاننے والے اشخاص سے اس کی تصدیق کرلی جائے (۳) متعدد شہروں سے ایک مضمون کے مختلف لوگوں کے فون آجائیں۔ پورا یقین واطمینان ہوجانے کے بعد (خواہ وہ ایک یا چند طریقوں سے حاصل ہوا ہو) اس اطلاع کو جو فون پر دی گئی ہے ایک ہی خبر کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس لئے صرف رمضان کے چاند کا فیصلہ کیا جانا ممکن ہوسکے گا عید کا نہیں۔ ہاں اگر اتنے مقامات یا ایک ہی مقام سے اتنی کثرت کے ساتھ فون آگئے کہ ان کے غلط ہونے کا عرفاً یا عقلاً امکان نظر نہ آتا ہو (یعنی استفاضہ کی شان پیدا ہوجائے) تو پھر عید کا فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

تعداد کی تحدید کے بارے میں وہی بات پیش نظر رہنی چاہیئے جو اوپر کئی بار خبرِ استفاضہ کی بحث میں تفصیل سے گذر چکی ہے کہ اس کو کسی خاص مقدار میں محدود نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خبر دینے والوں، نیز خبروں کی نوعیت کے لحاظ سے فیصلہ کرنے والے کی رائے مختلف ہوسکتی ہے۔ اسی لئے اسی کی رائے اور صوابدید پر موقوف کردیا گیا ہے۔

بعض موقعوں پر سینکڑوں افراد کی خبر بھی قابل اطمینان نہیں ہوتی کیوں کہ بعض اوقات کئی سو مخبرین کے بیانات بھی اطمینان کا باعث نہیں ہوتے۔ جیسا کہ "خلف" سے بلخ کے بارے میں اور بقالیؒ سے بخارہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہاں کے پانچ سو اور ایک ہزار افراد بھی قلیل ہی ہیں (دیکھئے فتح القدیر ص۲۵۲ ج ۲) اور بعض مرتبہ چند خبریں اس قدر یقین پیدا کردیتی ہیں کہ وہ کسی طرح متزلزل نہیں ہوتا۔ (استفاضہ کی بحث کو دوبارہ دیکھ لیا جائے تاکہ مزید روشنی حاصل ہو) یہاں ایک ضروری بات ملحوظ رکھنی چاہیئے جس پر حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ نے متنبہ فرمایا ہے وہ یہ کہ :-

رویت کے بارے میں خط کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرسل نے یہ لکھا ہو کہ "میں نے چاند دیکھا ہے" یا "فلاں .... شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا ہے" یا یہاں فلاں حاکم شرعی یا مفتی نے قبول کر لیا ہے۔ یا۔ یہاں عید ہے ــ لیکن اگر اس نے اس کے علاوہ کچھ اور لکھا مثلاً یہ کہ "یہاں چاند ہوا ہے" یا "فلاں شخص نے دیکھا ہے" یا "بہت آدمیوں نے دیکھا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (نقل مفہوم از بوادر النوادر ص۲۳۲) وجہ اس کی یہ ہے کہ چاند کے سلسلہ میں صرف شہادۃ علی الرؤیۃ ــ یا شہادۃ علی شہادۃ الرؤیۃ یا شہادت علی قضاء القاضی ہی معتبر ہوتی ہے یا ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ قاضی کے فیصلہ کا بطریق استفاضۂ خبر علم ہو جائے (دیکھئے العرف الشذی ص۳۰۲ للعلامۃ الکشمیری) یعنی خط میں اگر ان مذکورہ امور کی خبر دی جا رہی ہے تب تو اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی اصل کے پیش نظر مندرجہ بالا مثالیں سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اب چوں کہ ٹیلی فون کو خط پر قیاس کیا گیا ہے اس لئے اس میں بھی یہ تمام امور ملحوظ رہنے چاہئیں ورنہ ٹیلی فون کی خبر ناقابل اعتبار ہوگی۔

تار ــ وائرلیس کا حکم: ٹیلی فون کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد اب تار ــ وائرلیس کا حکم بھی دریافت کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ ان دونوں کے بارے میں موجودہ دور کے تمام قابل ذکر و صاحب نظر علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں کا تنہا قطعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ تار کسی کی طرف سے کوئی بھی شخص دے سکتا ہے اس لئے یہ پتہ چلنا ہی دشوار ہے کہ یہ تار کس شخص نے دیا۔ اب علماء کے اقوال سنئے حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

تنہا تار کی خبر قطعاً قابل اعتبار نہیں ہے: "اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار و لائق عمل نہیں"۔ (فتاویٰ اشرفیہ حصہ سوم ص۱۲ و بوادر النوادر ص۲۳۱)

یہی بات حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "بحسب ضوابط فقہیہ تار کا اعتبار نہیں

کیا جائے گا (فتاوی عبدالحئی ص۳۷ ج ۱)

ایسا ہی فتوی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کا ہے :-

"قواعد شرعیہ کے مطابق تار کا اعتبار اور اس پر اعتبار کر کے روزہ اور عید جائز نہیں"

(فتاوی دارالعلوم ص۱۴۱ ج ۳)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی تار اور وائرلیس دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"وائرلیس یعنی لاسلکی پیغام اور ٹیلی گراف (تار) کی خبروں کا ثبوت ہلال وغیرہ امور دینیہ میں کسی حال میں کوئی اعتبار نہیں۔ نہ شہادت کے درجہ میں آسکتے ہیں۔ نہ خبری شرعی کے اور نہ ہلال رمضان ان سے ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ ہلال عیدین۔" (فتاوی دارالعلوم ص۱۰۶ ج ۳)

ہاں! اگر بہت سے خطوط اور دیگر مختلف ذرائع سے رویت کی خبر ملی ہو اور ان میں کچھ تار بھی ہوں تو کثرت پیدا کر دینے کی بنا پر استفاضہ کے تحقق میں کئی تار بھی کام آسکتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں :- باقی شہادت خطوط یا تار ... بحسب اقتضائے زمانہ حال اس پر عام حکم بھی دیا جا سکتا ہے (فتاوی عبدالحئی ص۳۸ ج ۱)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ تنہا تار یا وائرلیس مفید مطلب نہیں البتہ ٹیلیفون کی خبر بشروط معتبر ہو گی۔ سہولت کے لئے اس بحث کا خلاصہ نمبر وار پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ٹیلی فون کی خبر کی تصدیق اور اس پر اطمینان ہو جانے کی صورت میں وہ ایک خبر کے درجہ میں لائق اعتنا ہو گی۔ اس لئے جہاں ایک خبر کافی ہو جاتی ہے مثلاً رمضان وہاں اس پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ چند مرتبہ ایک شخص سے فون پر بات کرنے

یا ایک شخص کی خبر کو اسی شہر کے چند افراد سے تصدیق کرنے یا ایک شخص کی آواز کو چند افراد کے سن کر اسے پہچان لینے سے " ایک ہی خبر" کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس لئے جہاں شہادت یا استفاضہ کی ضرورت ہوگی وہاں محض اس خبر پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) ایک فون کی تصدیق کرنیوالے اس شہر کے دو معتبر آدمی ہونے چاہیں (مسئلہ تزکیہ اس کی نظیر بن سکتا ہے۔ اس میں امام محمد کے نزدیک دو مزکی ہونے چاہئیں۔ اگرچہ شیخین (امام ابوحنیفہ ابو یوسف) کے نزدیک ایک بھی کافی ہے مگر احتیاط امام محمد کے قول میں ہی ہے اور ابن ہمام کا رجحان بھی امام محمد کے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے فتح القدیر ص ۴۶۱ ج ۶)۔

(۴) ٹیلی فون پر تصدیق کرکے قاضی یا ہلال کمیٹی کو اطلاع دینے والے افراد بھی دو ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر یہ شخص خود قاضی یا قاضی کا نمائندہ ہے تو ایک فرد بھی کافی ہو سکتا ہے (رسول القاضی کے بارے میں بھی مسئلہ مزکی ہی جیسا اختلاف ہے۔ (دیکھئے ہدایہ اخیرین مطبع مجیدی کانپور ص ۱۲۴ و فتح القدیر ص ۴۶۱ ج ۶)

(۵) شہر سے قریب کسی بستی میں اگر فون ہے وہاں کے باشندے اگر قریبی شہر سے (جس کے مضافات میں یہ بستی شامل ہے) فون کرکے معلوم کرلیں تو اس پر عمل کرنا درست ہوگا (جس طرح ریڈیو کی خبر کے بارے میں تفصیل گذر چکی ہے وہ طریقہ یہاں بھی کارآمد سمجھنا چاہئے۔

ٹیلی فون یا تار کی خبر پر روزہ توڑنے کا حکم

تنہا ٹیلی فون کی خبر پر (اگر وہ جگہ مضافات میں نہیں ہے) روزہ توڑنا درست نہیں۔ لیکن اگر کسی نے ایسی صورت میں روزہ توڑ لیا تو گنہ گار ہوگا۔ اس دن کی رویت (اگر بعد میں ثبوت مل جانے کی بنا پر) متحقق ہو جائے تو قضا و کفارہ دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اسکے

بعد میں بھی ثبوت شرعی اس دن چاند ہو جانے کا نہیں ملا تو پھر روزہ توڑنے والے پر صرف قضا واجب ہو گی کفارہ نہیں کیونکہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کا تار کی خبر پر روزہ توڑنے والے شخص کے بارے میں یہ فتویٰ ہے :۔

مولانا سے ایک سائل نے سوال کیا "اگر زید و عمر جو بظاہر روزہ نماز کے پابند ہیں کہیں سے تار پر خبر کر دیں کہ ہم نے چاند دیکھا تو اس خبر پر عید کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور اگر نادانستگی میں کوئی شخص اس خبر پر روزہ کھول دے تو اس پر قضا آئے گی یا کفارہ؟" اس کا جواب مولانا یہ تحریر فرماتے ہیں :۔

مولانا عبدالحئیؒ کا فتویٰ "صرف ایک خبر پر روزہ نہ کھولنا چاہئے۔ اور اگر افطار کرے گا تو قضا لازم آئے گی نہ کفارہ (فتاویٰ عبدالحئیؒ) صفحہ ۳۷۵ ج ۱)

دیکھئے مولانا تار کی خبر کو قطعاً ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں مگر اسکے باوجود کفارہ لازم ہونے کا فتویٰ نہیں دے رہے ہیں صرف روزہ کی قضا کرنے کا فتویٰ دیا۔ تو ٹیلیفون جو تار کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد اور قوی ذریعہ خبر ہے اس سے روزہ توڑ لینے والے پر کفارہ کیوں کر آسکتا ہے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اور ریڈیو کی بحث میں بھی گذرا

حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحب کا اہم فتوےٰ کہ اگر بعد میں رویت متحقق ہو جانے کی بنا پر فیصلہ ہو گیا تو قضا بھی ضروری نہیں رہے گی اس بارے میں حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰنؒ صاحب کا ایک فتویٰ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ایک فتویٰ اور ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں تار کی خبر پر روزہ توڑنے کا حکم ہے۔ مفتی صاحبؒ سے کسی نے سوال کیا "تار کی خبر پر بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا ہے ان کا یہ فعل کیسا ہے؟"

بغیر تحقیق کے روزہ توڑ دینے والے کے بارے میں فتوےٰ مفتی صاحبؒ نے جواب دیا "بلا تحقیق و بدون شہادت شرعیہ محض تار کی خبر پر روزہ توڑنا اور عید کرنا جائز نہ تھا۔ لیکن چونکہ جمعہ کی رویت اور شنبہ کی عید متحقق ہو گئی ہے اور بہت جگہ سے رویت کی خبریں

آئی دیوبند میں بھی رویت ہوئی اس لئے اب ان لوگوں پر جنھوں نے شنبہ کو روزہ نہ رکھا اور عید کی کچھ مواخذہ نہیں" فتاوی دارالعلوم ص۵۳ و ۵۴ ج ۳)

ان تفاصیل کے بعد اب صرف یہ بحث رہ جاتی ہے کہ کسی جگہ کی رویت کا .... کتنے فاصلے تک اثر و اعتبار رہو گا اور کس فاصلہ کے بعد نہیں ہو گا یعنی

اختلاف مطالعہ کی بحث | ۴ ایک جگہ چاند .... نظر آجانے کے بعد اس جگہ سے کتنی مسافت تک (ثبوت شرعی بہم پہنچ جانے کی بناپر) رویت کا حکم نافذ ہو سکتا ہے؟ یہ بحث قدیم زمانہ سے علماء کرتے چلے آئے ہیں اگرچہ ایک خیال یہ تھا (جسکو عام حنفی کتابوں میں بیان کیا گیا۔ نیز شوافع کے مشہور ترجمان علامہ نووی نے اپنے اصحاب کا قول بتایا ہے) کہ ایک جگہ کی رویت سے تمام روئے زمین کے لوگوں پر اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ شرعی ثبوت فراہم ہو جائے۔ مسلک احناف کی ہر کتاب میں یہ مسئلہ (الفاظ کے اختلاف کے ساتھ) موجود ہے۔ نووی نے اپنے اصحاب یعنی شوافع کا بھی یہی مسلک بتایا ہے (قال اصحابنا لغم الرویۃ فی موضع جمیع اھل الارض۔ (مسلم شریف ص۳۴۷ ج ۱)

لیکن اب کوئی بھی عملی طور پر اس کا حامی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام ساکنین ارض کے لئے موجب حکم ہو گی۔ گویا اب تمام مکاتب فکر اس پر متفق ہیں کہ کسی جگہ کی رویت اس مقام سے دور و دراز علاقہ کے لئے موجب حکم نہیں ہو گی۔ یہاں ہندوستان میں ریڈیو، اخبارات کے ذریعہ بلکہ اب تو آنے جانے والے دیندار افراد کے ذریعہ بھی یقینی خبریں ملتی رہتی ہیں کہ حجاز، شام، مصر اور دیگر عرب ممالک میں فلاں دن عید یا رمضان کی پہلی تاریخ ہوئی مگر یہاں اس کے مطابق عید یا رمضان کا فیصلہ کرنے کی جرأت تو درکنار اس کی تحریک بھی پیدا نہیں ہوتی۔ گویا عملاً سب کا اجماع ہے کہ اتنی دور کی رویت یہاں معتبر نہیں ہو گی۔ اس بارے میں حبرالامۃ

صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن ؓ کا اسم گرامی سر فہرست ہے کیوں کہ (بخاری شریف کے علاوہ) حدیث کی تمام کتابوں میں ان کا مشہور واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے حضرت کریب ؓ کی شہادت رویت اور اہل شام کے مدینہ سے ایک روز قبل روزہ، رکھنے کے واقعہ کو حجت ماننے اور اس پر فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے مسلم شریف ص۳۴۸ ج ۱ و نیل الاوطار للشوکانی ص۲۰۵-۲۰۶ ج ۴ و فتح الباری ص۱۲۸ ج ۴ و زیلعی شرح کنز ص۳۲۱ ج ۱) ... فقہائے امت میں مشہور فلسفی فقیہ علامہ ابن رشد اندلسی نے تو اپنی شہرۂ آفاق کتاب "بدایۃ المجتہد" میں علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق بیان کیا ہے:-

اس پر تمام (مالکی فقہا) متفق ہیں کہ دور کے شہروں میں جیسے کہ حجاز اور اندلس ہیں ایک جگہ کا حکم رویت دوسری جگہ نہیں لگایا جائے گا۔	اجمعوا انہ لا یراعی ذلک فی البلدان النائیۃ کالاندلس والحجاز (بدایۃ المجتہد ص۲۷۸ ج ۱)

مگر اس بیان کو علامہ شوکانی نے چیلنج کیا اور کہا کہ اجماع کی حکایت غلط ہے (دیکھئے نیل الاوطار ص۲۰۵ ج ۱) لیکن اگر اندلسی کے کلام کو سیاق و سباق سے ملا کر غور سے پڑھا جائے تو واضح ہو جائے کہ شوکانی ؒ کو یہاں غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اس "اجماع" کو تمام امت کا اجماع سمجھے۔ حالانکہ وہ صرف مالکی فقہاء کا اجماع نقل کر رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم (ص۱۱۳ ج ۳) میں شوکانی کے چیلنج کا جواب دیتے ہوئے اس غلط فہمی کی نشاندہی کی ہے۔ بہر کیف نظریاتی طور پر پہلے چاہے جو بھی اختلاف رہا ہو مگر اب تو عملی طور پر تمام مذاہب کے لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر — ابن رشد کے ہمنوا بن گئے۔ یعنی بلاد بعیدہ میں رویت کا حکم نہیں مانتے اسی کو فقہا کی زبان میں کہا جاتا ہے کہ — دور کے شہروں میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے جن علماء کی طرف اس..... کے خلاف اقوال منسوب

ہیں ان کی تاویلیں کی گئی ہیں۔ بلکہ ان کا محل یہی بتایا گیا ہے۔ (اس موضوع کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کا رسالہ دیکھنا چاہیئے)

عام طور پر فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ ملتا ہے کہ اہل مشرق کی رویت کا حکم اہل مغرب پر بھی نافذ ہوگا بشرطیکہ ثبوت شرعی فراہم ہوجائے۔ لیکن متاخرین و محققین (مسلک احناف کے بھی) علماء نے بھی دور دراز ملکوں اور شہروں کے درمیان اختلاف مطالع کو معتبر مانا ہے چنانچہ فخر المتاخرین حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے زیلعی کے اسی طرح کے ایک قول کا حوالہ دے کر اس کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہاں۔ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی شارح کنز کے قول کو تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس مسلک کی قوت اور استدلال کی پختگی کا اندازہ ہوجائے:۔ زیلعی حنفی فقہاء کا مشہور مسلک (اختلاف مطالع معتبر نہ ہونا) بیان کرنے کے بعد اپنی رائے مدلل طور پر پیش کرتے ہیں:۔

والاشبہ ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندھم وانفصال الھلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار کما ان دخول الوقت وخروجہ یختلف باختلاف الاقطار حتی اذا زالت الشمس فی المشرق لا یلزم منہ ان تزول فی المغرب وکذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل کلما طلعت الشمس درجۃ فتلک طلوع فجر لقوم وطلوع شمس . . . . . لآخرین وغروب لبعض ونصف لیل لغیرھم۔ وروی ان ابا موسی الضریر الفقیہ

اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا ضرور اعتبار کیا جائے کیوں کہ ہر قوم اسی حکم کی مخاطب ہوتی ہے جس کا سبب ان کے یہاں (متحقق) ہو اور سورج کی شعاع سے ہلال کا انفصال مختلف مقامات پر بدلتا رہتا ہے۔ (ہر جگہ یکساں نہیں ہوتا) جس طرح (نماز کے) وقت کا معاملہ ہے کہ مختلف جگہ مختلف ساعات میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مشرق میں سورج ڈوب جائے تو مغرب میں بھی اسی وقت ڈوبنا ضروری نہیں۔ اسی طرح کہیں صبح صادق کا وقت ہوتا ہے اور اسی ساعت میں دوسری جگہ سورج نکل رہا

صاحب المختصر قدم الاسکندریۃ فسئل عمن صعد علی منارۃ الاسکندریۃ فیری الشمس بزمان طویل بعد ما غربت عندھم فی البلد ایحل لہ ان یفطر؟ فقال لا! ویحل لاھل البلد لان کلاً مخاطب بما عندہ... والدلیل علی اختلاف المطالع ما روی عن کریب ....

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی ص۳۲۱ ج ۱)

ہوتا ہے اور کہیں غروب ہوتا ہے اور کہیں آدھی رات کا سماں ہوتا ہے۔ فقیہ ابو موسیٰ سے منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص منارہ پر چڑھا ہوا ہے اور سورج اس کو نظر آرہا ہے۔ حالانکہ نیچے سورج غروب ہو چکا ہے۔ تو کیا اوپر والے شخص کو افطار کرنا جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ شہر کے لوگوں کے لئے افطار جائز ہے لیکن منارہ پر موجود شخص کے لئے نہیں کیونکہ ہر اک اپنے حسب حال حکم کا مخاطب ہے۔ اس کے علاوہ اصل دلیل حضرت کریبؓ ... والی حدیث ہے

زیلعی کے کلام کی پختگی نیز نقلی وعقلی استدلال کے وزن کا اندازہ کرلینے کے بعد دیگر جلیل القدر فقہاء وعلماء کا کلام بھی سن لیجئے تاکہ معلوم ہو کہ اس خیال میں زیلعی منفرد نہیں ہیں بلکہ علمائے احناف میں بہت سے ممتاز افراد اسی خیال کے ہیں اب ملک العلماء علاء الدین کاسانی کا بیان دیکھئے فرماتے ہیں:۔

ولو صام اھل بلد ثلثین یوماً وصام اھل بلد اٰخر تسعۃ وعشرین یوماً فان کان صوم اھل ذلک البلد برؤیتہ الھلال وثبت ذلک عند قاضیھم او عد شعبان ثلاثین یوماً ثم صاموا رمضان فعلی اھل البلد الاٰخر قضاء یوم لانھم افطروا یوماً من رمضان

اگر کسی شہر کے لوگوں نے تیس۳۰ روزے رکھے اور دوسرے شہر کے لوگوں نے ۲۹ روزے۔ اگر پہلے شہر میں یقینی ذریعہ سے رویت متحقق ہو جانے کی بنا پر روزے رکھے گئے ہیں تب تو دوسرے شہر کے لوگوں کو ایک اور روزہ قضا کا رکھنا چاہئے اس لئے کہ ان لوگوں نے رمضان میں (پہلے دن) ایک روزہ نہیں رکھا۔ کیوں کہ رمضان کی آمد

لثبوت الرمضانية برؤية اهل ذلك البلد وعدم رؤية اهل البلد لايقدح فى رؤية اولئك اذ العدم لايعارض الوجود وهذا اذا كان المسافة بين البلدتين قريبة لاتختلف فيها المطالع فاما اذا كانت بعيدة فلا يلزم احد البلدين حكم الاخر لان مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى اهل كل بلد مطالع بلادهم دون الاخر

(بدائع الصنائع ص۸۳ ج۲)

تو ہو چکی تھی۔ پہلے شہر میں۔ اور دوسرے شہر میں چاند نظر نہ آنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا اس لئے کہ کسی جگہ عدم رویت سے، اس کی نفی نہیں ہوجاتی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں شہروں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو بلکہ دونوں شہر اتنے قریب ہوں کہ مطلع نہ بدل جاتا ہو اور اگر دونوں شہروں میں فاصلہ زیادہ ہو تو یہاں کا حکم وہاں نافذ ہونا ضروری نہیں ہوگا اس لئے کہ طویل مسافت پر شہروں کے مطالع بدل جاتے ہیں اور ان کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر جگہ اسی مقام کے مطلع کا اعتبار ہوگا اور وہیں کے لوگوں پر احکام کا نفاذ ہوگا دوسری جگہ نہیں۔

ان تفصیلی عبارتوں پر غور کرنے سے اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنے والوں کی بات میں وزن محسوس ہوتا ہے تب ہی تو آج سب لوگ گویا اسی راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اب کچھ اور معتبر کتابوں سے اس سلسلہ کی وہ تفصیل پیش کی جارہی ہے جس سے استدلال کی مزید وضاحت ہوتی ہے:-

قال فى الدرر يؤيده (اعتبار الاختلاف) ما مر فى اول كتاب الصلوة ان صلوة الوتر والعشاء لاتجب لفاقد وقتهما فى الاختيار وذكر فى الفتاوى

درر میں کہا ہے کہ اس مسلک (اعتبار اختلاف) کی تائید اس حکم سے بھی ہوتی ہے جو کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکا کہ جو لوگ ایسے مقامات پر رہتے ہیں جہاں عشاء کا

"الحسامية اذا صام اهل مصر ثلاثين يوماً برؤيته واهل مصر آخر بين تسعة وعشرين يوماً برؤيته فعليهم قضاء يوم ان كان بين المصرين قرب بحيث يتحد المطالع وان كان بعد بحيث يختلف لا يلزم احد المصرين حكم الآخر (مجمع الانهر ص۲۳۹ ج ۱)

وقت ہی نہیں آتا ان پر عشاء اور وتر ضروری نہیں۔ اور فتاوی حسامیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر چاند دیکھ کر کسی شہر میں تیس ۳۰ روزے رکھے اور دوسری جگہ انتیس ۲۹ تو اگر یہ دونوں مقام قریب ہیں اتنے کہ مطلع نہ بدلے۔ تب قضا واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

انکے علاوہ حضرت مولانا عبدالحئی رح نے مختلف فقہی کتابوں اور علماء سے اس بارے میں تائیدی اقوال نقل کئے ہیں جو ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں:۔

(۱) فقہہ کی مشہور و معروف کتاب مراقی الفلاح (شرح نور الایضاح) میں اختلاف مطالع کا اعتبار... کرنے کی بابت لکھا ہے:۔

"اختاره صاحب التجريد كما اذا زالت الشمس عند قوم وغربت عندهم فالظهر على الاولين لا المغرب لعدم انعقاد السبب في حقهم"

صاحب تجرید نے اسی کو پسند کیا ہے جیسا کہ کسی جگہ سورج ڈھل رہا ہوتا ہے، اور دوسری جگہ غروب ہوتا ہے۔ تو پہلے مقام پر ظہر فرض ہوگی نہ کہ مغرب چونکہ مغرب کا سبب ان کے حق میں نہیں پایا گیا۔

(۲) شمس الائمہ حلوانی رح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

"انه الصحيح من مذهب اصحابنا"

شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ہمارے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

ان صراحتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے نام ایسے علماء اور ان کتابوں کے ذکر کئے ہیں جن سے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف نام ذکر کئے جاتے ہیں:۔

(۳) مفتی ابو السعود الطحطاوی شارح مراقی الفلاح (۴) النہر الفائق (۵) الجواہر (۶) تاتارخانیہ (۷) الظہیریۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (۸) مختارات النوازل (۹) قدوری۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی مولانا عبد الحئی مطبوعہ ۱۳۲۵ھ مطبع قیومی کانپور صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۷ ج ۱۔ ان قدیم علماء کے علاوہ عصر حاضر کے علما نے بھی فی الجملہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے۔ اور عملاً تو گویا سب ہی اس پر متفق ہیں۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ دور کے شہروں میں اختلاف کا اعتبار ہوگا قریب کے مقامات میں نہیں، تو اب یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کتنے فاصلے کو بعید قرار دیا جائے کہ اس کی وجہ سے دوسری جگہ حکم رویت نافذ نہ ہو سکے۔ اس بارے میں بھی قدیم زمانے سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں پانچ مذاہب بیان کئے ہیں:

(۱) علم ہیئت کے اعتبار سے جتنی مسافت پر مطلع بدل جاتا ہو۔ وہ بعید ہے (یہ قول فتاوی مولانا عبد الحئیؒ میں بھی ذکر کیا گیا ہے)

(۲) مسافت قصر بعید (اسی قول کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے المصفّٰی ص۲۲۳ شرح مؤطا میں اختیار کیا ہے) اور شارح مسلم نووی نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

(۳) مقام رویت سے اتنا فاصلہ کہ جہاں عادۃً چاند نظر آجانا چاہئے (اگر کوئی مانع نہ ہو) قریب ہے اس سے زیادہ بعید ہے۔

(۴) سلطان کے نزدیک اگر رویت ثابت ہو جائے تو وہ اپنے حدود مملکت میں (چاہے وہ جتنے وسیع ہوں) تمام لوگوں پر اس حکم کو نافذ کر سکتا ہے۔ گویا ایک ملک کا ہر حصہ "قریب" ہے اور بیرون ملک "بعید"

(۵) ایک اقلیم کے تمام حصے قریب ہیں اور دوسری اقلیم میں واقع حصے بعید ہیں (ساری دنیا کو ہفت اقالیم مانا گیا تھا) (فتح الباری ص۱۰۶ ج ۴)

علامہ شوکانی نے ان تمام مذاہب کو نقل کرنیکے بعد ایک مذہب اور بیان کیا ہے اس طرح چھ مذاہب ہو جاتے ہیں۔

(۶) مقام رویت سے جو جگہ (طبعی وجغرافیائی اعتبار سے) مختلف ہو وہ بعید ہے اس کے علاوہ قریب ـــ مثلاً بلند مقام پر چاند نظر آیا تو اس رویت کو نشیبی علاقے کے لئے نہیں سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اس کے برعکس (نیل الاوطار صـ۲۰۶ ج ۴)

ان چھ اقوال کے علاوہ چند مذاہب کتب فقہ میں اور ملتے ہیں:۔

(۷) ایک مہینہ کی مسافت بعید ہے" بُعد میں اس مسافت کا اعتبار حضرت سلیمانؑ کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کو قرآن مجید میں بایں طور بیان کیا گیا ہے۔ غُدُوُّھا شھرٌ ورواحھا شھر (سورہ سبا آیت ۱۲) (مجمع الانہر صـ۲۳۹ ج ۱ و در المنتقی برحاشیہ مجمع صـ۲۳۹ ج ۱ فتاوی عبدالحیٔ صـ۳۷۲ ج ۱)

واضح رہے کہ ایک مہینہ کی مسافت سے مراد وہ فاصلہ ہے جو پیدل کی رفتار کے لحاظ سے بنتا ہے۔ اسی معیار پر کتب فقہ میں تین ۳ دن کی مسافت کو مسافتِ قصر کہا گیا ہے جس کا اندازہ بحساب انگریزی ۴۸ میل کیا گیا ہے۔ اس طرح اگر مہینہ تیس دن کا فرض کیا جائے تو ایک مہینہ کی مسافت چار سو اسی میل ہوتی ہے۔ (۸) چوبیس ۲۴ فرسخ بعید ہے (ایک فرسخ تین میل شرعی کے برابر ہوتا ہے اور ایک شرعی میل چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے جس کی تفصیل ابن عابدین نے باب صلوٰۃ المسافر کے ذیل میں (شامی صـ۵۲۷ ج ۱) بیان کی ہے۔ جو انگریزی میل کی مقدار سے بقدر ۲۳۰ گز زائد ہوتا ہے۔ (جیسا کہ بہشتی زیور "تیمم کے بیان میں" (صـ۵۴ حصہ اوّل) اور اس کے حاشیہ ۵ میں ذکر کیا گیا ہے) اس طرح چوبیس فرسخ (۲۴ × ۳ = ۷۲) ۷۲ میل شرعی کے برابر ہوئے۔ اور بحساب انگریزی جس کے ۸۱ میل ۳ فرلانگ ۶۰ گز یعنی تقریباً ۸۱½ میل ہوتے ہیں علامہ ابن عابدین نے اس فاصلہ کا (۲۴ فرسخ) مقدار تحدیدی ہونا بیان کیا ہے

لیجئے ان کے الفاظ آپ بھی پڑھ لیجئے۔

وقد نبّه التاج التبریزی علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعة وعشرین فرسخاً وافتی به الوالد والاوجه انها تحدیدیة کما افتی به اھ فلیحفظ (ص۵۱ ج۲ شامی)

تاج تبریزی نے متنبہ کیا ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم مسافت میں اختلافِ مطالع ممکن نہیں ہے۔ میرے والد کا فتویٰ بھی یہی ہے اوجہ یہ ہے کہ یہ مقدار تحدیدی ہے (تقریبی نہیں ہے)

(۹) ان کے علاوہ ایک قول یہ بھی ہے کہ مدینۂ طیبہ اور شام کے درمیان جتنی مسافت ہے وہ بعید ہے (حضرتِ ابن عباس کی روایت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے)

ان تمام اقوال پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند و پاکستان میں مدتوں سے جو معمول چلا آرہا ہے وہ ان میں سے کسی قول کے بھی زیرِ اثر نہیں ہے۔ (زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قول (۵) کو جزوی طور پر اپنا رکھا ہے) کیوں کہ ہندوستان کے حدود ہزاروں میل کے دائرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جب اندرونِ ملک کسی جگہ رویت ہو جاتی ہے تو پورے ملک میں ہر جگہ انتظار و اشتیاق رہتا ہے کہ کس طرح یہاں شرعی شہادت بہم پہنچ جائے تو رویت کا فیصلہ کر لیا جائے، چنانچہ اگر شہادت مہیا ہو جاتی ہے تو اس چیز کا لحاظ کئے بغیر کہ شاہد نے یہاں سے کتنے فاصلے پر چاند دیکھا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ بارہا کا تجربہ ہے کہ بمبئی اور کلکتہ کی شہادت پر دہلی میں فیصلہ ہوا (حالانکہ دہلی سے دونوں شہروں کا فاصلہ بالترتیب آٹھ سو اور نو سو میل ہے) گذشتہ سال (۱۹۶۹ء، ۱۳۸۹ھ) عیدالفطر کے موقع پر کلکتہ سے (بذریعہ ہوائی جہاز) آنے والوں کی شہادت پر لکھنؤ میں باتفاق علماء رویت کا فیصلہ ہوا حالانکہ لکھنؤ اور کلکتہ کے درمیان چھ سو میل سے زائد فاصلہ ہے۔ ان عملی شہادتوں اور جمعیۃ علماء کے فیصلہ مراد آباد کی اس صراحت "یہ حکم ہندوستان و پاکستان کے لئے ہے" کے بعد اس نتیجہ تک پہنچنا چنداں دشوار نہیں رہتا کہ گویا اس پر سب علماء کا عملاً اتفاق ہے کہ ان دو ملکوں میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہوگا یعنی ملک کے کسی ایک حصہ میں رویت ہو جائے اور دوسرے کسی حصہ میں